Rooh-e-Tahqeeq, Vol.03, No.03, July – September 2025

اسلام کا نظریہ جہاد اور متجددین کی آراء کا تحقیقی جائزہ

The Islamic Doctrine of Jihad
A Research-Based Analysis of Modernist Views

Dr. Muhammad Anas Raza
Associate Professor of Islamic Studies
Dar-ul-Madina International University, Islamabad
dranasrazaisl@gmail.com

Muhammad Ahmad
Lecturer in Islamic Studies, Dar-ul-Madina International University, Islamabad
drmeerahmadmalik@gmail.com

Abstract:
The concept of jihad in Islamic jurisprudence and political thought extends far beyond the narrow notion of armed conflict, encompassing spiritual, intellectual, social, and defensive dimensions. In modern times, reformist interpretations have sought to redefine jihad within contemporary moral, legal, and political frameworks, often emphasizing its role in establishing justice, resisting oppression, and fostering ethical and intellectual struggle. This article critically examines these modern perspectives, highlighting how they diverge from classical understandings and shift the discourse from traditional jurisprudential boundaries to new contextual readings. While such reinterpretations underscore the adaptability of Islamic thought, they also raise concerns among traditional scholars regarding the neglect of historical and scriptural foundations. The study concludes that a balanced approach is necessary—one that remains faithful to the original principles of jihad while addressing the ethical and political realities of the modern age.

Keywords:
jihad, Islamic jurisprudence, modernists, reform, defensive jihad

تمہید:

فقہِ اسلامی اور سیاسیات میں "جہاد" ہمیشہ سے ایک بنیادی اور وسیع النطاق تصور رہا ہے۔ یہ اصطلاح محض عسکری جنگ کے مفہوم تک محدود نہیں بل کہ اس میں روحانی، سماجی، علمی، اور دفاعی جہاد بھی شامل ہیں۔ تاہم، تاریخی و عصری تناظر میں جہاد کا مفہوم متجددین کے حلقے میں متنوع انداز میں سمجھا اور پیش کیا گیا ہے۔ ان متجددین میں وہ اہلِ فکر شامل ہیں جنھوں نے اسلامی احکام کی جدید تشریح کرتے ہوئے جہاد کے روایتی نظریات کو نئے تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی۔ یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اسلام میں تجدید کا عمل ہمیشہ جاری رہا ہے، اور ہر دور میں ایسے مفکرین پیدا ہوئے جنھوں نے اسلامی احکام کی نئی توضیح کی اور انھیں عصری تناظر میں زیادہ قابلِ فہم اور قابلِ عمل بنانے کی کوشش کی۔ جہاد کے حوالے سے متجددین کا ایک عمومی رجحان یہ رہا ہے کہ وہ اس تصور کو روایتی فقہی تشریحات سے ہٹ کر ایک نئے فریم ورک میں سمجھنے پر زور دیتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ جہاد کا حقیقی مقصد سماجی عدل، حق کی سربلندی، اور ظلم کے خلاف مزاحمت ہے، نہ کہ کسی نظریے کو بزورِ شمشیر نافذ کرنا۔ یہ مقالہ انھی متجدد مفکرین کے خیالات کا جائزہ لینے کے لیے ترتیب دیا گیا ہے جنھوں نے جہاد کے روایتی نظریات پر سوالات اٹھائے اور ان کی نئی تشریح پیش کی۔ اس میں ایسے مسلم مفکرین کا مطالعہ شامل ہوگا جنھوں نے یا تو جہاد کو مکمل طور پر روحانی اور اخلاقی جدوجہد تک محدود کر دیا، یا اسے دفاعی جنگ کی صورت میں جائز

قرار دیا۔ کچھ نے جدید قومی ریاستی نظام کے تناظر میں جہاد کے اختیار کو صرف حکومت کے ساتھ مشروط کیا، جب کہ بعض نے جہاد کو فکری، معاشی، اور تعلیمی میدان میں برتری حاصل کرنے کی جدوجہد قرار دیا۔

جہاد سے متعلق متجددین کی آراء اسلامی قانونی مباحث میں ایک گہرے فکری اختلاف کی نمائندگی کرتی ہیں۔ متجددین، جو اسلام کی تعبیر نو کے قائل ہیں، کلاسیکی فقہاء کے برعکس جہاد کو ایک متحرک، متغیر اور سیاق وسباق پر مبنی تصور کے طور پر دیکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک، جہاد کی قرآنی نصوص کو اس تناظر میں سمجھنے کی ضرورت ہے جو نہ صرف تاریخی حالات کے مطابق ہو بلکہ جدید بین الاقوامی قوانین اور معاصر سماجی وسیاسی حقائق سے بھی ہم آہنگ ہو۔ بعض متجددین نے برطانوی ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے جہاد کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے کہا کہ جب تک کسی مسلم معاشرے کو آزادانہ طور پر اپنے مذہب پر عمل کی اجازت حاصل ہو، مسلح جدوجہد شرعی طور پر ممنوع رہے گی۔ کچھ نے جہاد کو دفاعی دائرے تک محدود کرنے کی حمایت کی اور استدلال کیا کہ اسلامی ریاست کو جنگ کے بجائے سفارتکاری اور بین الاقوامی معاہدوں کے ذریعے اپنے مقاصد حاصل کرنے چاہئیں۔ متجددین کی یہ تعبیر جہاد کو فقہی جمود سے نکال کر ایک جدید قانونی ڈھانچے میں ضم کرنے کی کوشش ہے، جس پر روایتی علما کی طرف سے شدید تنقید کی جاتی رہی ہے۔ ان کے نزدیک، جہاد کا یہ جدید تصور قرآن و سنت کی نصوص کو محدود کرنے اور مغربی سامراجی فکر کو اپنانے کے مترادف ہے۔ چنانچہ یہ مسئلہ صرف اسلامی قانون تک محدود نہیں بلکہ اس کے اثرات مسلم دنیا کی سیاست، سماج اور عالمی تعلقات تک وسیع ہو چکے ہیں، جنہیں قانونی ماہرین اور بین الاقوامی تعلقات کے اسکالرز ایک مسلسل ارتقائی عمل کے طور پر دیکھتے ہیں۔

"تجدید" دین کی اصل روح کی بحالی:

تجدد اور تجدید دو ایسے الفاظ ہیں جو عربی زبان میں ایک ہی مادے (ج۔د۔د) سے نکلتے ہیں، لیکن ان کے معانی اور دینی مفہوم میں بنیادی فرق پایا جاتا ہے۔ تجدید کا تعلق باب تفعیل سے ہے، جو کسی شے کو اس کی اصل حالت پر بحال کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے، جبکہ تجدد باب تفعّل سے ہے، جو کسی چیز کے از خود بدل جانے کو ظاہر کرتا ہے۔ اسلامی اصطلاح میں، "تجدید" کا مطلب دین اسلام کی اصل تعلیمات کو واضح اور محفوظ رکھنا ہے، نہ کہ اس میں کسی اضافے یا تبدیلی کی کوشش کرنا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک مشہور حدیث کے مطابق:

﴿إِنَّ اللَّهَ يَبْعَثُ لِهَذِهِ الْأُمَّةِ عَلَى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لَهَا دِينَهَا﴾(۱)

ترجمہ: اللہ تعالیٰ ہر صدی کے آخر میں ایک شخص کو بھیجتے ہیں جو امت کے دین کو تجدید دیتا ہے۔

اسی طرح علامہ یوسف القرضاوی تجدید کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> "یہ عمل کسی شے کو اس کے اصل مقام پر واپس لے جانے کا نام ہے، نہ کہ اس میں کوئی نیا اضافہ یا تخلیق۔"(۲)

اس پس منظر میں، مجدد وہ ہوتا ہے جو دین کے صحیح تصور کو واضح کرے اور غیر اسلامی اثرات سے محفوظ رکھے۔

"تجدد" دین میں نئی تشکیل کی کوشش:

اس کے برعکس، "تجدد" کا مفہوم اس سے یکسر مختلف ہے۔ عربی زبان میں "تجدد الشیء" کا مطلب ہے کسی چیز کا نیا ہو جانا، یعنی پہلے موجود چیز معدوم ہو جائے اور اس کی جگہ کوئی نیا نظریہ یا نظام قائم ہو۔ فقہی اور دینی اصطلاح میں، یہ اصطلاح ان خیالات کے لیے استعمال ہوتی ہے جو دین اسلام کے بنیادی اصولوں میں نئی تشریحات اور تبدیلیاں متعارف کرانے کی کوشش کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر، "تجدد الضرع" کا مطلب ہے کہ جانور کے تھنوں میں جو دودھ تھا وہ ختم ہو گیا اور اس کی جگہ نیا دودھ آ گیا، جو اس بات کی علامت ہے کہ اصل چیز غائب ہو گئی اور اس کی جگہ دوسری چیز نے لے لی۔

دینی سیاق و سباق میں، متجد دین وہ افراد ہوتے ہیں جو اجتہاد کے نام پر اسلامی احکام میں بنیادی تبدیلیاں کرنے کی کوشش کرتے ہیں، جسے بعض مفکرین "تشکیل جدید" (Reconstruction) کا نام دیتے ہیں۔ اس نظریے کو روایتی علمانے ہمیشہ مسترد کیا ہے، کیونکہ اس میں اسلامی عقائد اور شریعت کو جدید فکری و سماجی تصورات کے مطابق ڈھالنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ روایتی علمائے کرام کے نزدیک، تجدید دین کی بقا اور اس کی اصل صورت کو محفوظ رکھنے کا ذریعہ ہے، جبکہ تجدد دین کی اصلیت کو ختم کر کے اس کی جگہ نئے نظریات کو فروغ دینے کا عمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلامی علوم میں تجدید کو ہمیشہ مثبت اور تجدد کو منفی تصور کیا گیا ہے، کیونکہ اول الذکر دین کے احیاء کا ذریعہ ہے، جبکہ مؤخر الذکر دین کی اصل روح سے انحراف پر مبنی ہے۔(۳)

متجددین کی بنیادی خصوصیات:

- **اجتہاد پر زور:** یہ لوگ اسلام میں اجتہاد (نئے مسائل پر غور و فکر اور جدید حل نکالنے) پر زور دیتے ہیں۔
- **نئی تعبیرات:** قرآن و سنت کی ایسی تشریحات پیش کرتے ہیں جو جدید دنیا کے حالات کے مطابق ہوں۔
- **روایتی فقہ سے اختلاف:** روایتی علماء کی اجماعی آراء یا قدیم فقہ پر سوالات اٹھاتے ہیں۔
- **مغربی علوم سے استفادہ:** جدید سائنسی، سماجی اور فلسفیانہ نظریات کو اسلامی تعلیمات کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔
- **ریاست اور مذہب کا نیا تعلق:** خلافت اور اسلامی حکومت کے بجائے جدید قومی ریاست کے نظریے کو ترجیح دیتے ہیں۔(۴)

سر سید احمد خان کا جہاد سے متعلق نظریہ:

سر سید احمد خان (۱۸۱۷–۱۸۹۸) برصغیر کے ممتاز مسلم مفکر، ماہر تعلیم، اور متجدد عالم تھے، جنہوں نے جدید تعلیم کے فروغ اور مسلمانوں میں سائنسی و عقلی فکر کو عام کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا۔ وہ علی گڑھ تحریک کے بانی تھے اور ان کا بنیادی نظریہ یہ تھا کہ مسلمان جدید سائنسی علوم اور انگریزی تعلیم کو اپناتے ہوئے اپنی سیاسی اور سماجی حیثیت کو مستحکم کریں۔(۵)

سر سید احمد خان کے نزدیک اسلام ایک دینِ فطرت ہے اور جہاد اس کے عین مطابق ایک فطری عمل ہے۔ وہ سر ولیم میور کے اس الزام کو بے بنیاد قرار دیتے ہیں کہ اسلام ایک جنگجوانہ مذہب ہے جو غیر مسلموں پر زبردستی اپنی تعلیمات مسلط کرتا ہے۔ ان کے مطابق، اسلام میں جہاد کا مقصد ظلم کے خلاف مزاحمت اور امن و انصاف کا قیام ہے، نہ کہ جبر کے ذریعے کسی کو اسلام قبول کرنے پر مجبور کرنا۔ چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

> "اسلام کی بنیاد دلی یقین اور قلبی تصدیق پر ہے، اس لیے یہ تصور ہی ناقابل قبول ہے کہ کسی کو زبردستی ایمان لانے پر مجبور کیا جائے۔ ایمان ایک اختیاری اور شعوری فیصلہ ہے، جسے طاقت یا جبر کے ذریعے مسلط نہیں کیا جا سکتا، کیونکہ عقیدہ تبھی حقیقی ہوتا ہے جب وہ اخلاص اور رضا مندی کے ساتھ قبول کیا جائے۔"(۶)

اسی طرح سید احمد خان اپنی کتاب "تفسیر القرآن" میں لکھتے ہیں:

> "اسلام کی سب سے بڑی خصوصیت یہی ہے کہ اس کے تمام احکام قانونِ فطرت کے مطابق ہیں اور ان پر عمل کرنا ممکن اور فطری اصولوں سے ہم آہنگ ہے۔ جہاں رحم کی گنجائش ہے، وہاں شریعت نرمی اختیار کرنے کی اجازت دیتی ہے، اور جہاں سزا ضروری ہو، وہاں انصاف کے مطابق بدلہ دینے کا حکم ہے۔ اگر معافی کا موقع ہو تو اسلام اس کی ترغیب دیتا ہے، اور جہاں مقابلہ ناگزیر ہو، وہاں اسی اصول کے تحت اقدام کیا

جاتا ہے۔ اسلام کا یہ متوازن نظام اس بات کا ثبوت ہے کہ یہ ایک الٰہی شریعت ہے، جو فطرت کے قوانین سے ہم آہنگ اور عملی زندگی میں نافذ کرنے کے قابل ہے۔"(۷)

ایک اور مقام پر اس نظریہ کو مزید واضح کرتے ہیں کہ اسلام فساد، دھوکہ دہی اور غداری کی سختی سے مخالفت کرتا ہے اور امن و انصاف کے قیام کو بنیادی اصول قرار دیتا ہے۔ یہ دین ہر اس شخص یا قوم کے ساتھ خیر خواہی اور وفاداری کا حکم دیتا ہے جو مسلمانوں کے ساتھ پر امن تعلقات رکھے، خواہ وہ مسلم ہو یا غیر مسلم۔ اسی لیے اسلام باہمی معاہدات کی پابندی کو لازمی قرار دیتا ہے اور کسی بھی قوم پر سیاسی تسلط قائم کرنے یا زمینی فتوحات کی خواہش میں لشکر کشی کی اجازت نہیں دیتا۔ اسلام صرف دو مخصوص حالات میں جنگ کی اجازت دیتا ہے:

۱۔ اگر کوئی غیر مسلم قوم محض اسلام دشمنی میں مسلمانوں پر حملہ آور ہو اور ان کے دینی وجود کو مٹانے کے درپے ہو، تو ایسے میں اپنے دین اور جان و مال کے دفاع کے لیے جنگ ناگزیر ہو جاتی ہے۔ تاہم، اگر کوئی جنگ محض ملکی مفادات، وسائل کے حصول، یا اقتدار کے لیے ہو، تو ایسی جنگ جہاد کے دائرے میں نہیں آتی، خواہ وہ مسلمانوں کے درمیان ہو یا کسی غیر مسلم قوم کے ساتھ۔

۲۔ اگر کسی ریاست یا قوم نے مسلمانوں کو ان کے بنیادی دینی حقوق اور آزادی سے محروم کر دیا ہو، اور وہ مسلسل ظلم و ستم کا شکار ہوں، تو اسلام انہیں یہ حق دیتا ہے کہ وہ اپنے مذہبی اور بنیادی انسانی حقوق کے دفاع میں اٹھ کھڑے ہوں۔ تاہم، اس کا مقصد محض طاقت حاصل کرنا نہیں بلکہ ظلم کا خاتمہ اور عدل و انصاف کا قیام ہونا چاہیے۔(۸)

اسلامی تعلیمات میں جہاد کو ہمیشہ عدل، رحمت اور انسانیت کے اصولوں کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے، اور اس کا مقصد کبھی بھی ناحق خون بہانا، زمین پر فساد پھیلانا، یا دوسروں پر جبر کے ذریعے اسلام مسلط کرنا نہیں رہا۔

غلام احمد پرویز کے مطابق تصورِ جہاد:

غلام احمد پرویز (۱۹۰۳–۱۹۸۵ء) ایک متجدد مفکر اور قرآنی فکر کے داعی تھے، جنہوں نے حدیث کو ظنی قرار دے کر صرف قرآن پر مبنی اسلام کی تعبیر پیش کی۔ وہ روایتی فقہ کے ناقد تھے اور اسلامی قوانین کی جدید تشریح کے قائل تھے، جس کے باعث انہیں شدید تنقید اور مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔(۹)

غلام احمد پرویز کے مطابق جہاد محض جنگ کا نام نہیں بلکہ ایک وسیع اور جامع جدوجہد ہے جس کا مقصد حق کی سربلندی، ظلم و استحصال کا خاتمہ، اور ایک منصفانہ سماجی نظام کا قیام ہے۔ ان کے نزدیک، قرآن میں جہاد کا اصل مفہوم علمی، فکری، اور عملی کوششوں پر مشتمل ہے، جو انسانی ترقی، عدل و انصاف، اور باطل نظریات کے خلاف علمی رد کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے۔(۱۰)

پرویز اس بات پر زور دیتے ہیں کہ مسلح جہاد کی اجازت صرف اس وقت ہے جب مسلمانوں پر براہِ راست ظلم ہو، ان کے بنیادی حقوق سلب کر لیے جائیں، اور انھیں زندہ رہنے یا دین پر عمل کرنے کا حق نہ دیا جائے۔ وہ اس تصور کو مکمل طور پر رد کرتے ہیں کہ اسلام کسی قوم پر زبردستی اپنی حاکمیت قائم کرنے کے لیے جنگ کی اجازت دیتا ہے۔ ان کے مطابق، سیاسی، عسکری، یا زمینی فتوحات کی غرض سے لڑی جانے والی جنگیں جہاد کے دائرے میں نہیں آتیں بلکہ وہ محض دنیاوی طاقت کے حصول کے لیے کی جانے والی کارروائیاں ہیں، جو اسلامی اصولوں سے متصادم ہیں۔ پرویز ذیل میں آیت کو قرآنی جہاد کے حقیقی مفہوم کی وضاحت کے لیے پیش کرتے ہیں:

﴿فَلَا تُطِعِ الْكَافِرِينَ وَجَاهِدْهُم بِهِ جِهَادًا كَبِيرًا﴾(۱۱)

ترجمہ: پس کافروں کی بات نہ مانو اور ان کے ساتھ اس (قرآن) کے ذریعے بڑا جہاد کرو۔

اس آیت کی روشنی میں، پرویز کا استدلال ہے کہ جہاد کا سب سے بڑا اور اہم ترین پہلو قرآن کے ذریعے حق کو واضح کرنا، باطل نظریات کا علمی رد کرنا، اور فکری بیداری پیدا کرنا ہے، نہ کہ تلوار اٹھانا۔ ان کے نزدیک، موجودہ دور میں سب سے بڑا اجہاد علم، تحقیق، سائنس، فلسفہ، معیشت، اور سماجی انصاف کے میدان میں برتری حاصل کرنا ہے، تاکہ امت مسلمہ حقیقی معنوں میں ترقی کر سکے اور دنیا میں اسلام کی اصل تصویر پیش کر سکے۔(۱۲)

گویا کہ غلام احمد پرویز کے مطابق، جہاد کا اصل مفہوم فکری، علمی، اور سماجی جدوجہد ہے، جبکہ مسلح جہاد صرف دفاعی صورت حال میں جائز ہے، جب مسلمانوں پر ظلم کیا جائے یا ان کے بنیادی حقوق سلب کر لیے جائیں۔ ان کے نزدیک، موجودہ دور میں سب سے بڑا اجہاد تعلیم، تحقیق، اور معاشی و اخلاقی ترقی کے ذریعے اسلامی اصولوں کا نفاذ ہے، نہ کہ عسکری جنگ۔

مولاناوحیدالدین خان کے مطابق جہاد کا مفہوم:

وحید الدین خان (۱۹۲۵-۲۰۲۱ء) ایک معروف مفکر، مصنف، اور مفسر تھے، جنہوں نے عدم تشدد، دعوت و تبلیغ، اور اسلام کی فکری بالادستی پر زور دیا۔ وہ روایتی جہادی تصورات کے ناقد تھے اور ان کے نزدیک موجودہ دور میں اسلام کی سربلندی علمی و نظریاتی جدوجہد کے ذریعے ممکن ہے، نہ کہ عسکری اقدامات سے۔ اپنی کتاب "الرسالہ" میں لکھتے ہیں:

"رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رحمۃ للعالمین ہونے کا ایک نمایاں پہلو یہ ہے کہ آپ نے جنگ اور صلح کے اصولوں کو ایک منصفانہ اور انسانی بنیادوں پر استوار کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے واضح کیا کہ جنگ کا جواز صرف دفاعی ضرورت کی صورت میں ہے اور کسی بھی حالت میں مسلمانوں کو جنگ میں پہل نہیں کرنی چاہیے۔ تاہم، اگر مخالف فریق جارحیت کرے اور مسلمانوں پر حملہ آور ہو تو اپنی جان، مال، اور دین کے تحفظ کے لیے جنگ کی اجازت ہے۔ اسی طرح، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ اصول بھی مقرر فرمایا کہ امن ہر حال میں جنگ سے بہتر ہے، اور اگر جنگ کی نوبت آ بھی جائے تو بھی ہمیشہ صلح کی راہ تلاش کی جائے۔ اگر مخالف فریق جنگ کے دوران بھی صلح پر آمادہ ہو تو چاہے وہ اپنی شرائط پر بھی صلح کی پیشکش کرے، اسے قبول کر لینا چاہیے تاکہ خونریزی کو روکا جا سکے۔"(۱۳)

اسی طرح وحید الدین خان جہاد کو محض دفاعی جنگ تک محدود کرتے ہیں اور ان کے مطابق، دورِ حاضر میں جہاد بمعنی قتال کی کوئی ضرورت نہیں۔ ان کی تحریروں میں اس بات کا واضح تاثر ملتا ہے کہ اسلام مسلح جدوجہد کے بجائے فکری اور نظریاتی جدوجہد کے ذریعے اپنی برتری قائم کرے گا۔ وہ روایتی مجاہدین کی تاریخی جنگوں کو اسلامی جہاد کے زمرے میں شامل نہیں کرتے بلکہ انہیں سرکشی اور ناسمجھی کے اقدامات قرار دیتے ہیں۔ ان کے مطابق، مستقبل میں محض "لا الہ الا اللہ" کی دعوت ہی اقوام کو مسخر کرنے کے لیے کافی ہو گی اور اسلام کو تلوار کی ضرورت نہیں رہے گی۔ وہ جہاد اور اسلام کے غلبہ سے متعلق حدیث کی وضاحت میں لکھتے ہیں:

> "ایک ایسا دور آئے گا جب اسلام اپنی فکری و نظریاتی قوت کے ذریعے دنیا پر غالب ہو گا، اور ہتھیار اٹھانے کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔"(۱۴)

اپنی کتاب "تذکیر القرآن" میں جہاد سے متعلق اپنے مؤقف کو واضح کرتے ہیں:

> "اہل ایمان کو جنگ کی اجازت صرف دفاعی صورت میں دی گئی ہے، یعنی جب مخالف فریق پہلے حملہ کرے تو ہی جنگ کی جا سکتی ہے۔ نیز، جب مسلمان جنگ میں غلبہ حاصل کر لیں تو اس کے بعد ماضی کے جرائم پر کسی کو سزا نہیں دی جائے گی۔ جیسے ہی دشمن ہتھیار ڈال دے، تمام سابقہ جرائم معاف کر دیے جائیں گے، اور صرف وہی شخص سزا کا مستحق ہو گا جو مستقبل میں کسی نئے جرم کا ارتکاب کرے۔ اس کے علاوہ، اسلام میں

عام حالات میں قتل کے اصول اور جنگی حالات میں قتل کے اصول مختلف ہیں، جو حالات کے مطابق نافذ کیے جاتے ہیں۔"(۱۵)

وحید الدین خان اپنی کتاب "احیاءِ اسلام" میں لکھتے ہیں:

"موجودہ دور میں جہاد کا اصل کام فکری اور نظریاتی جدوجہد کے ذریعے الحاد کے غلبے کو ختم کرنا اور توحید کو اس کا مقام واپس دلانا ہے۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانی تاریخ کے ایک مخصوص عمل کے تحت ایسے حالات پیدا کیے ہیں جو دعوتِ توحید کے فروغ میں معاون ثابت ہو سکتے ہیں۔ ان کے نزدیک، پہلے مرحلے میں غلبۂ توحید کا کام دعوت کے ساتھ ساتھ طاقت کے ذریعے انجام پایا، لیکن موجودہ دور میں یہ عمل محض تبلیغ اور وضاحت کے ذریعے پورا ہو گا۔ قرآن کے بیان کردہ اصولوں کی روشنی میں، وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ حق اور باطل کی کشمکش میں اصل فتح فکری برتری اور دلیل کی مضبوطی کے ذریعے حاصل ہو گی، نہ کہ عسکری جنگ کے ذریعے۔ ان کے مطابق، قرآن خود اس بات کی وضاحت کرتا ہے کہ اللہ اپنی نشانیوں کو ظاہر کرے گا اور سچائی کو واضح کر دے گا، جس سے حق خود بخود غالب آ جائے گا۔"(۱۶)

الحاصل وحید الدین خان کا موقف عدم تشدد اور فکری جدوجہد پر مبنی ہے، جس میں وہ دعوت اور تبلیغ کو جہاد کا متبادل سمجھتے ہیں اور موجودہ دور میں عسکری جہاد کو غیر ضروری قرار دیتے ہیں۔ تاہم، ان کی یہ رائے روایتی اسلامی تشریحات سے مختلف ہے، کیونکہ بیشتر فقہاء جہاد کو دفاعی اور بعض اوقات اقدامی حالات میں بھی جائز قرار دیتے ہیں۔

جاوید احمد غامدی کے مطابق جہاد سے متعلق آراء:

جاوید احمد غامدی (پیدائش ۱۹۵۱ء) ایک معروف دانشور ہیں، جو قرآن و سنت کی عقلی و اجتہادی تعبیر کے قائل ہیں۔ وہ روایتی فقہ کے کئی تصورات بشمول جہاد، حدود، اور ریاستی نظام کی جدید تشریح پیش کرتے ہیں، جس کے باعث انہیں علمی و فکری حلقوں میں حمایت اور تنقید دونوں کا سامنا رہا ہے۔ جاوید احمد غامدی کے مطابق:

> "رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ایک مخصوص تاریخی پس منظر میں ہوئی تھی، جس میں اللہ تعالیٰ نے آپ کو براہِ راست حجت کے طور پر دنیا کے سامنے پیش کیا۔ چونکہ نبوت کا یہ سلسلہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مکمل ہو چکا ہے، اس لیے اب کسی قوم پر محض ان کے کفر کی بنا پر جنگ مسلط کرنے کا حق ہمیشہ کے لیے ختم ہو گیا ہے۔"(۱۷)

غامدی صاحب مزید وضاحت کرتے ہیں :

"آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کے دنیا سے رخصت ہو جانے کے بعد، کسی بھی مفتوح قوم پر جزیہ عائد کر کے انہیں محکوم بنانے کا اختیار کسی کو حاصل نہیں۔ ان کے نزدیک، اسلامی ریاست یا کسی بھی گروہ کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی غیر مسلم قوم پر محض عقیدے کی بنیاد پر حملہ کرے یا انہیں محکوم رکھنے کے لیے کسی قسم کا ٹیکس عائد کرے۔ قیامت تک اب جنگ صرف دفاعی یا مظلوموں کی مدد کے لیے کی جا سکتی ہے، نہ کہ مذہبی بالادستی کے قیام کے لیے۔"(۱۸)

جاوید احمد غامدی کے مطابق، صحابہ کرام کی جنگیں درحقیقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مشن کی تکمیل کا حصہ تھیں، جو اللہ کے عذاب کی تنفیذ کے طور پر عمل میں آئیں۔ ان کے نزدیک، یہ جنگیں کسی عام سیاسی یا عسکری حکمت عملی کا نتیجہ نہیں تھیں، بلکہ براہ راست اللہ تعالیٰ کے اس قانون کا ظہور تھیں جو رسولوں کی بعثت کے ساتھ مخصوص ہوتا ہے۔ غامدی سورۃ التوبہ کی آیت:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا قَاتِلُوا الَّذِينَ يَلُونَكُم مِّنَ الْكُفَّارِ﴾(۱۹)

ترجمہ: اے ایمان والو! اپنے قریب کے کافروں سے جنگ کرو۔

کی تشریح میں بیان کرتے ہیں کہ "یہ حکم خاص طور پر ان کفار کے لیے تھا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے براہ راست مخاطب تھے اور جنہیں خطوط کے ذریعے اسلام کی دعوت دی گئی تھی۔ ان کے مطابق، صحابہ کرام نے انہی قوموں سے جنگیں لڑیں، جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام قبول کرنے یا نتائج بھگتنے کی تنبیہ کی تھی۔ ان جنگوں کے نتیجے میں ان کی حکومتوں کا خاتمہ ہوا، اور اس کے بعد وہ اللہ کے عذاب کے مستحق قرار پائے۔ غامدی کی رائے میں، یہ قانون نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے تک محدود تھا اور قیامت تک کے لیے عام نہیں، لہٰذا آج کے دور میں کسی قوم پر اس بنیاد پر حملہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اسلام قبول نہیں کرتے۔"(۲۰)

چنانچہ جاوید احمد غامدی کے مطابق، صحابہ کرام کی جنگیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ رسالت کے تکمیلی مراحل کا حصہ تھیں، جو اللہ کے عذاب کی تنفیذ کے لیے مخصوص تھیں لہٰذا ان کے نزدیک، یہ قانون صرف اسی زمانے تک محدود تھا اور آج کے دور میں کسی بھی قوم پر محض کفر کی بنیاد پر جنگ مسلط نہیں کی جا سکتی۔

متجددین کے جہاد سے متعلق نظریات کا تنقیدی جائزہ:

شریعتِ اسلامیہ میں جہاد کو ایک جامع اور ہمہ جہت فریضے کے طور پر پیش کیا گیا ہے، جو محض عسکری پہلو تک محدود نہیں بلکہ اصلاحِ معاشرہ، قیامِ عدل اور ظلم و طاغوت کے خلاف عملی جدوجہد کا ایک وسیع تصور ہے۔ مختلف ادوار میں، متجددین نے اس قرآنی حکم کو اپنی فکری، سماجی اور سیاسی نظریات کے تناظر میں دیکھنے کی کوشش کی، جس کے نتیجے میں جہاد کی تعبیر و تشریح کے حوالے سے کئی مغالطے اور غلط فہمیاں پیدا ہوئیں۔ متجددین، مغربی فکری دباؤ کے زیرِ اثر، جہاد کو محض ایک دفاعی عمل تک محدود کرتے ہیں اور اسے سیاسی و عسکری پہلو سے الگ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ذیل میں متجددین کے ان نظریات اور ان پر تنقیدی جائزہ کو نکات کی صورت میں پیش کیا جاتا ہے:

ا۔ جہاد کا دفاعی نظریہ

متجددین کا دعویٰ ہے کہ جہاد کا روایتی فقہی نظریہ غلط ہے، اور اصل میں جہاد صرف دفاعی جنگ کا نام ہے، جبکہ اقدامی جہاد (Offensive Jihad) کا کوئی شرعی جواز نہیں۔ ان کے مطابق، قرآن و سنت میں کسی بھی بلا اشتعال جنگ (Unprovoked War) کی اجازت نہیں دی گئی، اور نبی کریم ﷺ کی جنگیں صرف دفاعی حکمتِ عملی کے طور پر لڑی گئیں۔

جہاد کے محض دفاعی نظریے کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ:

متجددین کا یہ دعویٰ کہ "جہاد صرف دفاعی جنگ کا نام ہے اور اقدامی جہاد (Offensive Jihad) کی کوئی شرعی حیثیت نہیں" ایک محدود اور مخصوص نقطہ نظر پر مبنی ہے، جو اسلامی فقہ کی جامع اور تاریخی بنیادوں سے مطابقت نہیں رکھتا۔ ان کے اس نظریے کا بنیادی مقدمہ یہ ہے کہ اسلام میں کسی بھی بلا اشتعال جنگ (Unprovoked War) کی اجازت نہیں، اور نبی کریم ﷺ کی تمام جنگیں محض دفاعی حکمت عملی کے تحت لڑی گئیں۔

قرآن و سنت کی روشنی میں دلائل:

قرآن و سنت میں جہاد کے مختلف مراحل کو واضح کیا گیا ہے۔ ابتدا میں مسلمانوں کو صبر، درگزر، اور تبلیغ پر زور دیا گیا، لیکن بعد میں حالات کے مطابق دفاعی اور اقدامی دونوں اقسام کے جہاد کا حکم دیا گیا:

(i) اقدامی جہاد کا مرحلہ اور اس کی مشروعیت

امام ابو بکر جصاص رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر احکام القرآن میں مدینہ میں جہاد کی ابتدائی حیثیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

"فَقَالَ الرَّبِيعُ بْنُ أَنَسٍ هِيَ أَوَّلُ آيَةٍ نَزَلَتْ فِي الْقِتَالِ بِالْمَدِينَةِ وَكَانَ النَّبِيُّ ﷺ بَعْدَ ذَلِكَ يُقَاتِلُ مَنْ قَاتَلَهُ مِنْ الْمُشْرِكِينَ وَيَكُفُّ عَمَّنْ كَفَّ عَنْهُ إِلَى أَنْ أُمِرَ بِقِتَالِ الْجَمِيعِ"۔(۲۱)

ترجمہ: ربیع بن انس رحمہ اللہ نے فرمایا: یہ پہلی آیت ہے جو مدینہ میں قتال کے بارے میں نازل ہوئی۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان مشرکین سے جنگ کرتے رہے جو ان سے جنگ کرتے، اور جو ان سے باز رہتے، ان سے درگزر فرماتے، یہاں تک کہ سب کے خلاف قتال کا حکم دیا گیا۔

یہ عبارت اس بات کا صریح ثبوت ہے کہ آغاز میں جہاد کا حکم دفاع تک محدود تھا، لیکن بعد میں عمومی قتال کا حکم آیا، جس میں جہاد کو وسیع تناظر میں شامل کیا گیا۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جہاد صرف دفاعی نہیں، بلکہ ایک فعال (Active) اور قانونی و فقہی حکمت عملی پر مبنی عمل ہے، جو مختلف حالات میں مختلف طریقوں سے اختیار کیا جاتا ہے۔

(ii) اقدامی جہاد کی فقہی اور شرعی حیثیت

فقہاء کے نزدیک اقدامی جہاد کا جواز نبی کریم ﷺ کی سنت اور خلفائے راشدین کے عمل سے ثابت ہے۔ اگر جہاد محض دفاعی ہوتا تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، اور دیگر خلفاء اسلام کو عرب سے باہر لے جانے کے لیے اقدامی جنگیں نہ کرتے، بلکہ ہر وقت دشمن کے حملے کا انتظار کرتے۔ فتح مکہ (۶۳۰ء) کے وقت کوئی دفاعی جنگ نہیں تھی، بلکہ یہ ایک اقدامی (Offensive) کارروائی تھی تاکہ مکہ کو اسلام کے نظام میں شامل کیا جائے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں روم اور فارس کے خلاف جہاد اقدامی تھا، کیونکہ ان کے خلاف کوئی فوری حملہ نہیں ہو رہا تھا، بلکہ اسلامی نظام کو وسیع کرنے کے لیے اسلامی فوج نے پیش قدمی کی۔ اس سے متعلق امام احمد رضا خان حنفی قادری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اپنی عظیم تصنیف " المحجة المؤتمنة في آية الممتحنة" میں لکھتے ہیں:

> "اجماعِ امت ہے کہ جہاد کفار محاربین بالفعل سے مخصوص نہیں، مدافعانہ و جارحانہ قطعاً دونوں طرح کا حکم ہے، اجازت کا مدافعانہ میں حصر پہلے تھا، پھر قطعاً منسوخ ہو گیا (یعنی پہلے جہاد صرف دفاعی حالت میں کرنے کی اجازت تھی، اب یہ حکم قطعی طور پر منسوخ ہو چکا ہے۔ اب جہاد اقدامی و دفاعی دونوں طرح کرنے کا حکم ہے)۔"(۲۲)

امام احمد رضا خان حنفی قادری رحمۃ اللہ علیہ واضح کرتے ہیں کہ امت مسلمہ کا اجماع ہے کہ جہاد صرف ان کفار تک محدود نہیں جو عملی طور پر جنگ میں مصروف ہوں، بلکہ یہ حکم دفاعی اور اقدامی دونوں صورتوں میں موجود ہے۔ ان کے مطابق، ابتدا میں جہاد کی اجازت صرف دفاع تک محدود تھی، لیکن بعد میں یہ حکم منسوخ کر دیا گیا اور اسلام نے جہاد کو وسیع تر مفہوم میں پیش کیا، جس میں اقدامی جہاد بھی شامل ہے۔ اس کا مقصد نہ صرف دفاع بلکہ ظلم اور فساد کے خاتمے کے لیے عملی اقدام کرنا بھی ہے۔

اسی طرح امام برہان الدین مرغینانی اپنی مشہور کتاب "الھدایہ" جو کہ صدیوں سے پورے عالم اسلام کے مدارس دینیہ میں فقہی نصاب کے طور پر شامل ہے، اس میں تحریر فرماتے ہیں:

" قِتَالُ الْكُفَّارِ وَاجِبٌ وَإِنْ لَمْ يُبْدِئُوا لِلْعُمُومِ "(۲۳)

ترجمہ: کفار سے قتال کرنا واجب ہے اگرچہ وہ قتال میں ابتدا نہ کریں، اس لیے کہ جہاد کے احکام عام ہیں۔

امام برہان الدین مرغینانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کفار سے قتال واجب ہے، چاہے وہ قتال میں پہل نہ کریں۔ اس کی بنیاد عمومی جہادی احکام پر ہے، جو کسی خاص صورت یا شرط کے ساتھ مقید نہیں ہیں۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ جہاد محض دفاعی نہیں بلکہ اقدامی طور پر بھی فرض ہو سکتا ہے، تاکہ باطل کے غلبے کو روکا جا سکے اور اسلامی تعلیمات کا نفاذ ممکن ہو۔ اس موقف کی بنیاد قرآن و سنت کے واضح دلائل اور فقہائے کرام کے اجماعی نظریات پر ہے، جو اسلامی ریاست کی ذمہ داریوں میں شامل ہیں۔

(iii) جہاد کا مقصد صرف دفاع نہیں، بلکہ ظلم کا خاتمہ اور اسلامی نظام کا نفاذ بھی ہے

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ ٱلدِّينُ لِلَّهِ﴾(۲۴)

ترجمہ: اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے۔

یہاں "حتیٰ لا تکون فتنۃ" کا مفہوم بہت واضح ہے کہ جب تک ظلم، کفر کا تسلط، اور اسلامی معاشرتی اصولوں پر رکاوٹیں موجود ہیں، مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان رکاوٹوں کو ختم کریں، خواہ اس کے لیے اقدامی جہاد بھی کرنا پڑے۔ چنانچہ اس آیت کے تحت تفسیر احکام القرآن میں ہے:

"يُوجِبُ فَرْضَ قِتَالَ الْكُفَّارِ حَتَّى يَتْرُكُوا الْكُفْرَ"۔(۲۵)

ترجمہ: کفار سے قتال فرض ہے یہاں تک کہ وہ کفر چھوڑ دیں۔

متجددین کا نظریہ کہ "جہاد صرف دفاعی ہے" غیر متوازن اور اسلامی فقہی روایات سے متصادم ہے۔ امام جصاص، امام مرغینانی اور امام احمد رضا خان جیسے اکابرین نے واضح کیا کہ اقدامی جہاد بھی شرعی طور پر جائز اور ضروری ہے۔ اگر جہاد محض دفاع تک محدود ہوتا تو فتح مکہ اور خلفائے راشدین کی فتوحات کی کیا توجیہہ ہوتی؟ قرآن واضح طور پر ﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ﴾ کے ذریعے اقدامی جہاد کا حکم دیتا ہے، جو ظلم کے خاتمے اور اسلامی نظام کے قیام کے لیے ناگزیر ہے۔

۲۔ موجودہ دور میں جہاد کی معطلی

متجددین کا ایک نظریہ یہ ہے کہ آج کے دور میں جہاد کا کوئی جواز نہیں، کیونکہ عالمی سطح پر بین الاقوامی معاہدے اور اقوامِ متحدہ جیسے ادارے موجود ہیں، جو عالمی انصاف کے ضامن ہیں۔ ان کے مطابق، موجودہ حالات میں پرامن جدوجہد، علمی ترقی، اور سفارتکاری ہی جہاد کی متبادل صورتیں ہیں۔

اس نظریہ کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ:

متجددین کا یہ دعویٰ کہ آج کے عالمی نظام میں جہاد کی کوئی ضرورت باقی نہیں رہی، کیونکہ اقوام متحدہ اور بین الاقوامی معاہدے موجود ہیں جو انصاف کے ضامن ہیں، ایک غیر حقیقی اور غیر عملی نظریہ ہے۔ اسلامی تعلیمات کے مطابق جہاد کا حکم کسی خاص زمانے کے ساتھ مشروط نہیں بلکہ ظلم کے خاتمے، عدل کے قیام اور دینِ اسلام کے دفاع کے لیے ہمیشہ جاری رہے گا۔ تاریخ اور معاصر عالمی حالات یہ ثابت کرتے ہیں کہ بین الاقوامی ادارے ظالم طاقتوں کے ہاتھوں میں ایک آلہ بن چکے ہیں، جہاں انصاف کے بجائے سیاسی مفادات غالب ہیں۔ فلسطین میں اسرائیلی جارحیت، کشمیر میں ہندوستانی ریاستی جبر، برما میں روہنگیا مسلمانوں کی نسل کشی، اور شام و افغانستان میں طاقتور اقوام کے مظالم اس حقیقت کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ عالمی انصاف کا تصور محض کاغذی ہے۔

جہاد صرف عسکری کارروائی کا نام نہیں، بلکہ اسلامی تعلیمات میں یہ ایک جامع اصول ہے جو مختلف حالات میں مختلف شکلیں اختیار کر سکتا ہے۔ قتال ایک شرعی حکم ہے، لیکن اس کے لیے مخصوص شرائط اور ضوابط ہیں، جیسا کہ ملاجیون نے تفسیراتِ احمدیہ میں وضاحت کی ہے :

"أَوْ نَقُولُ: المَعْنَى لِقَوْلِهِ تَعَالَى: ﴿الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ﴾ الْكَفَرَةُ كُلُّهُمْ: لِأَنَّهُمْ جَمِيعًا يُضَارُّونَ لِلْمُسْلِمِينَ قَاصِدُونَ لِلْقِتَالِ، فَهُمْ فِي حُكْمِ الْمُقَاتَلَةِ، سَوَاءٌ قَاتَلُوا أَوْ لَمْ. أَوْ مَعْنَاهُ: الَّذِينَ يُنَاصِبُونَ بِكُمْ الْقِتَالَ ----- مَعَ زِيَادَةِ تَفَكُّرٍ مِنِّي وَإِطَالَةِ تَقْرِيرٍ." (۲۶)

ترجمہ: یا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے فرمان "جو تم سے جنگ کرتے ہیں" کا مفہوم یہ ہے کہ اس سے مراد تمام کفار ہیں، کیونکہ وہ سب مسلمانوں کے لیے نقصان دہ ہیں اور جنگ کی نیت رکھتے ہیں، پس وہ سب جنگجو شمار ہوں گے، چاہے وہ عملاً جنگ کریں یا نہ کریں۔ یا اس کا مطلب یہ ہو سکتا ہے کہ اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو عملی طور پر جنگ چھیڑتے ہیں یا جن سے جنگ متوقع ہو، پس اس حکم سے نہایت بوڑھے، بچے، پاگل، معذور، نابینا، بیمار، عورتیں اور دیگر وہ افراد خارج ہوں گے جو جنگ کی طاقت نہیں رکھتے، کیونکہ ان کا قتل حرام ہے۔ اسی طرح زیادتی نہ کرنے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جن افراد کے قتل سے روکا گیا ہے، ان کو قتل نہ کیا جائے، یا مثلہ نہ کیا جائے کیونکہ یہ عمل اسلام کے آخری دور میں حرام قرار دیا گیا، یا ان لوگوں سے جنگ نہ کی جائے جن سے معاہدہ کیا گیا ہے، یا بغیر دعوت کے قتال نہ کیا جائے، کیونکہ شریعت کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے انہیں اسلام کی دعوت دی جائے، اگر وہ انکار کریں تو انہیں جزیہ کی پیشکش کی جائے، اور اگر وہ اسے بھی نہ مانیں تو پھر جنگ کی جائے۔ ان تمام معانی کے پیش نظر اس آیت کا حکم باقی ہے اور یہ منسوخ نہیں ہے۔ یہ تمام تفصیلات "البیضاوی" میں مذکور ہیں، جن میں مزید غور و فکر اور تفصیل میری طرف سے شامل کی گئی ہے۔

یہ اقتباس واضح کرتا ہے کہ جہاد کا مقصد ظلم و فساد کو روکنا ہے، نہ کہ بلاجواز جنگ مسلط کرنا۔ اس میں جنگ کے مخصوص شرائط کو واضح کیا گیا ہے، جن کے مطابق جہاد صرف اس وقت فرض ہوتا ہے جب کسی قوم کی جانب سے ظلم، فتنہ، یا دینِ اسلام کے خلاف عملی اقدامات کیے جائیں۔ متجددین کا استدلال کہ سفارتکاری اور پرامن مزاحمت ہی جہاد کا متبادل ہے، انتہائی ناقص ہے، کیونکہ دنیا کی تاریخ اس بات کی شاہد ہے کہ صرف سفارتکاری اور امن پسندانہ تحریکیں ظالم حکمرانوں کو قابو میں نہیں لا سکتیں۔ اگر ایسا ہوتا تو فلسطینی عوام کو اقوامِ متحدہ کی قراردادوں کے باوجود اسرائیلی جارحیت کا سامنا نہ ہوتا، اور بین الاقوامی عدالتِ انصاف دنیا بھر کے مظلوموں کو انصاف فراہم کر چکی ہوتی۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ مغربی طاقتیں جب چاہیں فوجی جارحیت کو "دفاعی حملہ (Defensive Strike) " قرار دے کر جائز ٹھہراتی ہیں، جبکہ مسلمانوں کی مزاحمت کو "انتہا پسندی" اور "دہشت گردی" کہا جاتا ہے۔ اسلامی اصولوں کے مطابق، قتال کا مقصد نہ صرف دفاع بلکہ ظلم کا خاتمہ، عدل و انصاف کا قیام، اور اسلامی نظام کی حفاظت بھی ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ ٱلدِّينُ لِلَّهِ﴾(۲۷)

ترجمہ: اور ان سے قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین صرف اللہ کے لیے ہو جائے۔

یہی تفسیر امام جصاص نے احکام القرآن میں کی ہے:

"يُوجِبُ فَرْضَ قِتَالَ الْكُفَّارِ حَتَّى يَتْرُكُوا الْكُفْرَ"(۲۸)

ترجمہ: کفار سے قتال فرض ہے یہاں تک کہ وہ کفر چھوڑ دیں۔

یہ تصریحات اس بات کو رد کرتی ہیں کہ جہاد صرف دفاع تک محدود ہے، بلکہ یہ ایک جامع حکمتِ عملی ہے، جس میں دفاعی، اقدامی، اور اصلاحی جہاد تمام شامل ہیں۔ اسلامی شریعت کے مطابق، اگر ظلم، فتنہ اور دین کے خلاف سازشیں جاری رہیں تو جہاد کا حکم معطل نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا، متجددین کا یہ دعویٰ کہ "اقوامِ متحدہ کے موجود ہوتے ہوئے جہاد کی ضرورت نہیں" ایک غیر حقیقی، غیر شرعی اور مغربی فکری تسلط کا نتیجہ ہے، جو نہ قرآن و سنت کے اصولوں سے ہم آہنگ ہے اور نہ ہی موجودہ عالمی سیاسی حالات میں قابلِ عمل ثابت ہوتا ہے۔

۳۔ مشروعیتِ جہاد کے زمانہ نبوی ﷺ سے خاص ہونے کے نظریہ کا تحقیقی جائزہ

متجددین کا یہ نظریہ کہ جہاد صرف نبی کریم ﷺ کے زمانے کے ساتھ مخصوص تھا اور اب کسی بھی فرد یا گروہ کو جہاد کا اعلان کرنے کا حق حاصل نہیں، درحقیقت قرآن و سنت اور اجماعِ امت کے خلاف ہے۔ یہ موقف نہ صرف تاریخی طور پر غلط ہے بلکہ شرعی اصولوں کے بھی برعکس ہے، کیونکہ اسلامی شریعت میں جہاد کا حکم ایک دائمی فریضہ ہے، جو قیامت تک جاری رہے گا۔

جہاد کی ابدیت:

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر جہاد کے حکم کو بیان فرمایا، اور کہیں بھی یہ اشارہ نہیں دیا کہ یہ حکم کسی خاص زمانے یا نبی کریم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ تک محدود ہے۔ سورۃ التوبہ میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿قَاتِلُوا الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ وَلَا يُحَرِّمُونَ مَا حَرَّمَ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَلَا يَدِينُونَ دِينَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ حَتَّى يُعْطُوا الْجِزْيَةَ عَنْ يَدٍ وَهُمْ صَاغِرُونَ﴾ (۲۹)

ترجمہ: ان لوگوں سے جنگ کرو جو اللہ اور یومِ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے، اور جو چیزیں اللہ اور اس کے رسول نے حرام کی ہیں، انہیں حرام نہیں سمجھتے، اور دینِ حق کو اختیار نہیں کرتے، یہاں تک کہ وہ جزیہ ادا کریں اور تابع بن کر رہیں۔

اس آیت میں "قاتلوا" (قتال کرو) کا حکم عام ہے اور اس میں کوئی وقت یا مخصوص گروہ کی قید نہیں، بلکہ یہ قیامت تک کے لیے عمومی حکم ہے چنانچہ تفسیرات احمدیہ میں ہے:

"هَذِهِ الآيَةُ الَّتِي يُثْبَتُ بِهَا شَرْعِيَّةُ الجِزْيَةِ بَعْدَ الإِبَاءِ عَنِ الإِسْلَامِ، فَإِنَّ اللَّهَ تَعَالَى جَعَلَ إِعْطَاءَ الجِزْيَةِ غَايَةً لِلْقِتَالِ الَّذِي تَعَلَّقَ بِالَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ وَلَا يُحَرِّمُونَ وَلَا يَدِينُونَ. يَعْنِي أَنَّ القِتَالَ مُطْلَقًا ---- كَمَا ذُكِرَ فِي المَدَارِكِ"(۳۰)

ترجمہ: یہ آیت اس بات کی دلیل ہے کہ جو لوگ اسلام قبول کرنے سے انکار کریں، ان سے جزیہ وصول کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے واضح فرمایا کہ جنگ کا مقصد صرف جزیہ لینا نہیں بلکہ انہیں ایمان کی دعوت دینا ہے، اور اگر وہ ایمان نہ لائیں، اللہ اور قیامت کے دن پر صحیح یقین نہ رکھیں، حرام کو حرام نہ سمجھیں اور دینِ حق پر عمل نہ کریں، تو ان سے اس وقت تک جنگ کی جائے گی جب تک وہ جزیہ نہ دیں، اور وہ بھی ذلت اور محکومی کے ساتھ۔ اہلِ کتاب کی گمراہی بھی بیان کی گئی ہے کہ یہودی اللہ کو دو حصوں میں بانٹتے ہیں اور عیسائی تثلیث کے قائل ہیں، نیز ان کا آخرت پر عقیدہ بھی ناقص ہے۔ اللہ کے فرمان کے مطابق وہ نہ اللہ کی شریعت پر عمل کرتے ہیں اور نہ ہی اپنی کتابوں (تورات و انجیل) کی پیروی کرتے ہیں۔ جزیہ ادا کرنے کا طریقہ یہ مقرر کیا گیا کہ وہ اپنی خوشی سے، بغیر مزاحمت کے نقد اپنے ہاتھ سے ادا کریں، کسی اور کے ذریعے نہیں، اور اس حالت میں کہ وہ خود کو ذلیل و مغلوب محسوس کریں، جیسے پیدل آکر جزیہ دینا، سوار نہ ہونا، وصول کرنے والے کے سامنے کھڑے ہو کر ادا کرنا جبکہ وہ بیٹھا ہو، اور یہ کہا جائے: "اے ذمی! جزیہ ادا کرو"، جیسا کہ "مدارک" میں ذکر کیا گیا ہے۔

متجددین کا یہ دعویٰ کہ جہاد صرف نبی کریم ﷺ کے دور تک محدود تھا اور اب کسی فرد یا گروہ کو جہاد کا اعلان کرنے کا حق حاصل نہیں، سراسر قرآن، حدیث اور اجماعِ امت کے خلاف ہے۔ تفسیراتِ احمدیہ میں بھی اس آیت کی

وضاحت کی گئی ہے کہ جو لوگ دینِ حق کو قبول نہ کریں، ان سے جنگ جاری رہے گی جب تک وہ ایمان نہ لائیں یا جزیہ ادا نہ کریں۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ جہاد کا مقصد محض کسی خاص قوم کے خلاف کارروائی نہیں، بلکہ دینِ حق کا غلبہ اور ظالمانہ نظاموں کا خاتمہ ہے۔ اگر یہ نظریہ درست ہوتا، تو نبی کریم ﷺ کے بعد خلفائے راشدین، تابعین اور ائمہ مجتہدین کے ادوار میں جہاد کا تسلسل کیوں قائم رہا؟ ائمہ امت نے یہ موقف اختیار کیا ہے کہ جہاد کا حکم قیامت تک کے لیے جاری ہے اور اس کی مشروعیت میں کوئی تغیر نہیں آیا۔ اسی طرح حدیث پاک میں بھی جہاد کی ابدیت سے متعلق صراحت ہے:

((لَا تَزَالُ طَائِفَةٌ مِنْ أُمَّتِي يُقَاتِلُونَ عَلَى الْحَقِّ ظَاهِرِينَ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ)) (۳۱)

ترجمہ: میری امت کا ایک گروہ ہمیشہ حق پر قتال کرتا رہے گا، یہاں تک کہ قیامت آجائے۔

یہ حدیث واضح طور پر ثابت کرتی ہے کہ جہاد کا حکم نبی کریم ﷺ کی ذاتِ مبارکہ یا آپ کے دور تک محدود نہیں، بلکہ قیامت تک یہ عمل جاری رہے گا۔

یہ نظریہ کہ اقوامِ متحدہ اور بین الاقوامی معاہدے جہاد کی جگہ لے چکے ہیں، نہ صرف شرعی احکام کی تحریف ہے بلکہ تاریخی حقائق سے بھی متصادم ہے۔ دنیا میں ظلم اور استبداد آج بھی جاری ہے، اور اسلامی شریعت مسلمانوں کو اپنی دینی اور جغرافیائی آزادی کے دفاع کے لیے جہاد کا حکم دیتی ہے۔ لہٰذا متجددین کا یہ نظریہ کہ جہاد ایک "منسوخ شدہ حکم" ہے، نہ صرف غیر علمی ہے بلکہ اسلامی اصولوں سے بھی متصادم ہے۔

خلاصۃ البحث:

متجددین کی آراء کا جائزہ لینا اس لحاظ سے اہم ہے کہ یہ جدید فکری مباحث میں جہاد کی تعبیرات پر نمایاں اثرات مرتب کرتی ہیں۔ متجددین، جو اسلامی احکام کی نئی تشریحات کے قائل ہیں، جہاد کو روایتی فقہی تصورات سے ہٹ کر ایک متغیر اور حالات کے تابع قانونی و اخلاقی اصول کے طور پر دیکھتے ہیں۔ وہ اس بات پر زور دیتے ہیں کہ اسلامی ریاست میں جہاد کا اصل مقصد ظلم کے خاتمے، عدل کے قیام، اور دین کے دفاع سے مشروط ہے، جبکہ بعض مفکرین نے اس دائرے کو مزید محدود کر کے صرف دفاعی جہاد تک محدود کر دیا ہے۔

سر سید احمد خان نے برطانوی ہندوستان میں مسلمانوں کے لیے جہاد کو غیر ضروری قرار دیتے ہوئے کہا کہ جب تک کسی مسلم معاشرے کو مذہبی آزادی حاصل ہو، مسلح جدوجہد جائز نہیں۔ غلام احمد پرویز نے جہاد کو ایک علمی و فکری جدوجہد قرار دیا، جبکہ جاوید احمد غامدی نے اسے ایک ریاستی اختیار تک محدود کرتے ہوئے غیر ریاستی عناصر کی جہادی سرگرمیوں کو مسترد کیا۔ اسی طرح، وحید الدین خان نے جہاد کو عدم تشدد اور فکری غلبے کے دائرے میں رکھا، اور محمد عبدہ و رشید رضا نے جہاد کو بین الاقوامی سفارتکاری اور عدل کی بحالی کے لیے ایک ذریعہ سمجھا۔

روایتی علما کے نزدیک متجددین کی یہ تعبیر اسلامی اصولوں میں لچکدار رویے اور مغربی افکار کے اثرات کو اپنانے کے مترادف ہے۔ وہ اسے اسلامی فقہ کی روایتی حدود سے متجاوز قرار دیتے ہیں، جو جہاد کے تاریخی و شرعی پس منظر کو نظر انداز کرنے کے مترادف ہے۔

علماء امت نے واضح کیا کہ ابتدا میں مسلمانوں کو صبر، درگزر اور پر امن دعوت کا حکم دیا گیا، لیکن جب کفار کے مظالم حد سے بڑھ گئے تو جہاد کی اجازت دی گئی، جو محض دفاع تک محدود نہیں بلکہ ظلم کے خاتمے اور عدل کے قیام کے لیے بھی مشروع ہے۔ اور مزید بر آں کہ جہاد کا مقصد جبری مذہب کی تبدیلی نہیں بلکہ ظلم کا سدباب ہے۔

سفارشات:

۱۔ماہرینِ شریعت، فقہ، سیاسیات اور بین الاقوامی قانون کے درمیان باقاعدہ تحقیقی فورمز اور ورکشاپز منعقد کیے جائیں تاکہ متجددانہ تعبیرات اور روایتی آراء کے منطقی دلائل باہم سامنے آئیں۔ اس سے اختلافات واضح، مستند اور نصوص کی روشنی میں حل پذیر رہنمائی پیدا ہو گی۔

۲۔جدید قومی ریاستوں کے تناظر میں جہاد کے دفاعی پہلو، ریاستی وحدتِ اختیار، اور عوامی / غیر ریاستی مسلح سرگرمیوں کے حدود کی شریعت اور سیکولر قوانین کے مطابق واضح قانونی دستاویزات تیار کی جائیں تاکہ تشویش اور غلط فہمیوں کا ازالہ ہو اور طاقت کے غلط استعمال کی روک تھام ممکن بنے۔

۳۔جامعات، مدارس اور تعلمی ادارے قرآن و سنت کی تاریخی و معاصر تشریحات پر نصابی اور غیر نصابی سطح پر کورسز، سیمینارز اور عوامی لیکچرز کا اہتمام کریں جن میں جہاد کے اخلاقی، سماجی اور قانونی پہلوؤں کو عینی مثالوں اور معاصر عالمی قوانین کے ساتھ جوڑا جائے۔ اس سے مؤثر تفہیمِ مسئلہ ممکن ہو گی۔

۴۔ مسلم مفکرین اور قانون دان بین الاقوامی انسانی حقوق، سفارتی معاہدات اور بین الاقوامی قانون کے تقاضوں کو مراعاتِ شریعت کے ساتھ مربوط کرنے پر کام کریں تاکہ جہاد کا جدید تصور بین الاقوامی سطح پر اصولی، اخلاقی اور عملی طور پر قابلِ قبول بنایا جاسکے، اور اس حوالے سے پالیسی ساز اداروں کو عملی سفارشات فراہم کی جاسکیں۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) اَبوداوٗد، سلیمان بن الاَشعث، سنن ابی داؤد، کتاب الملاحم، باب مایذکر في قرن المائۃ، (الریاض: دار الفکر، ۲۰۱۵ء)، ح:۴۲۹۱۔

(۲) یوسف القرضاوی، فقہ الأولویات، (قاہرہ: دار الشروق، ۱۹۹۵ء)، ۴۰۔

(۳) حافظ محمد زبیر، تحریکِ تجدد اور متجددین، (بیروت: دار الفکر الاسلامی، ۲۰۱۷ء)، ٦۔

(۴) ایضاً، ۱٦۔

(۵) خلیق احمد مالک، سر سید احمد خان: حیات و خدمات، (لاہور: سنگ میل پبلیکیشنز، ۲۰۰۳ء)، ۱۱۲۔

(٦) الطاف حسین حالی، حیاتِ جاوید، (لاہور: مطبع نولکشور، ۱۹۰۱ء)، ۵۱۳۔

(۷) سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، (علی گڑھ: سائنٹیفک سوسائٹی پریس، ۱۸۸۰ء)، ۱: ۲۵۲۔

(۸) سر سید احمد خان، تفسیر القرآن، ۱: ۲۵۴

(۹) مفتی فیض احمد اویسی، غلام احمد پرویز کے عقائد و نظریات، (لاہور: کتب خانہ امام رضا علیہ الرحمۃ، ۲۰۰۴ء)، ۳۱۲۔

(10) https://www.parwez.tv/abid/Quran-Text-htm/Sura%204/Sura%204%20Verse%2097-102%20ch-22.html (25 Sep 2025)

(۱۱) الفرقان۲۵:۵۲

(۱۲) غلام احمد پرویز، تفسیر مطالب الفرقان، (لاہور: ادارہ طلوعِ اسلام، ۲۰۰۰ء)، ۲: ۱۵۰۔

(۱۳) وحید الدین خان، الرسالہ، (دہلی: الرسالہ ٹرسٹ، ۲۸ مئی ۱۹۹۰ء)، ۲۸۔

(۱۴) ایضاً، ۱۲۔

(۱۵) وحید الدین خان، تذکیر القرآن، (دہلی: الرسالہ ٹرسٹ، ۱۹۸۸ء)، ۸۱۔

(۱٦) ایضاً، ۱۰۲۔

(۱۷) جاوید احمد غامدی، مقامات، (لاہور: المورد، طبع سوم، جولائی ۲۰۱۴ء)، ۲۰۳۔

(۱۸) ایضاً۔

(۱۹) التوبہ ۹:۱۲۳

(۲۰) جاوید احمد غامدی، قانون جہاد، (لاہور: المورد، ۲۰۱۴ء)، ۲۶۹-۲۷۰۔

(۲۱) الجصاص، احمد بن علی ابو بکر الرازی الحنفی، احکام القرآن، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، ۱۴۰۵ھ)، ا: ۳۲۰

(۲۲) احمد رضا خان، امام، المحجة الموتمنه في آية الممتحنة، رسائل رضویہ، (لاہور: مسلم کتابوی، ۱۹۷۶ء)، ا: ۱۱۱۔

(۲۳) مرغینانی، الہدایہ، کتاب السیر (کراچی: المکتبۃ العربیہ، ندارد)، ۲۳۹۔

(۲۴) البقرة ۲ : ۱۹۳

(۲۵) الجصاص، احکام القرآن، ا: ۳۲۴

(۲۶) ملاجیون، احمد بن ابو سعید امیٹھوی، تفسیرات احمدیہ، (بیروت: دار الکتب العلمیہ: ۲۰۱۰ء)، ۸۶۔

(۲۷) البقرة ۲ : ۱۹۳

(۲۸) الجصاص، احکام القرآن، ا: ۳۲۴۔

(۲۹) التوبہ ۹:۲۹

(۳۰) ملاجیون، تفسیرات احمدیہ، ۸۷۔

(۳۱) مسلم، محمد بن حجاج، صحیح مسلم، کتاب الجهاد، باب فضل الجهاد، ح: ۱۹۱۰۔

Bibliography

- Abul Dawud, Sulayman bin al-Ash'ath, *Sunan Abī Dāwud*, (Riyadh: Dar al-Fikr, 2015)
- Imam Ahmad Raza Khan, *al-Muḥajjah al-Muʾtaminah fī Āyat al-Mumtaḥanah, Rasāʾil Riḍawiyyah*, (Lahore: Muslim Kitabwī, 1976)
- Al-Ghassas, Ahmad bin ʿAli Abu Bakr al-Rāzī al-Ḥanafī, *Aḥkām al-Qurʾān*, (Beirut: Dār Iḥyāʾ al-Turāth al-ʿArabī, 1405 AH)
- Altaf Husain Hali, *Ḥayāt-i Jāwīd*, (Lahore: Matba' Nawal Kishore, 1901)
- Al-Marghinani, *al-Hidāyah*, Kitāb al-Siyar, (Karachi: al-Maktabah al-ʿArabiyyah)
- Yusuf Al-Qaradawi, *Fiqh al-Awlawiyyāt*, (Cairo: Dar al-Shurūq, 1995)
- Mufti Faiz Ahmad Al-Owesi, *Ghulām Ahmad Parvez ke ʿAqāʾid wa Naẓariyyāt*, (Lahore: Kutub Khānah Imam Riḍā, 2004)
- Javed Ahmad Ghamdi, *Qānūn-i Jihād*, (Lahore: al-Mawrid, 2014)
- Javed Ahmad Ghamidi, *Maqāmāt*, (Lahore: al-Mawrid, 3rd Edition, July 2014)
- Malik Khaliq Ahmad Khan, *Sir Sayyid Ahmad Khan: Ḥayāt wa Khidmat*, (Lahore: Sang-e-Meel Publications, 2003)
- Sir Sayyid Ahmad Khan, *Tafsīr al-Qurʾān*, (Aligarh: Scientific Society Press, 1880)
- Waheed al-Din Khan, *al-Risālah*, Delhi: al-Risālah Trust, 28 May 1990)
- Waheed al-Din Khan, *Tadhkir al-Qurʾān*, (Delhi: al-Risālah Trust, 1988)
- Mulla Jīwan, Ahmad bin Abu Saʿīd Amīthawī, *Tafsīrāt Aḥmadiyyah*, (Beirut: Dar al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 2010)
- Ghulam Ahmad Parwez, *Tafsīr Maṭālib al-Furqān*, (Lahore: Idārah Ṭulūʿ-i-Islām, 2000)
- Hafiz Muhammad Zubair, *Taḥrīk-i Tajaddud aur Mutajaddidīn*, (Dar al-Fikr al-Islāmī, Beirut, 2017)

❖❖❖